

مُحْسِنِ الْاِنْسَانِيَةِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(مخالفینوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے)

— مدنی دَوْر —

نعیم صدیقی

— بسلسلہ گذشتہ —

تحریک کا نیامرکز | تحریک حق کا آسمانی لیڈر برابر اس سوچ میں رہا کہ اگر مکہ کے ظرف میں سمائی نہیں اور یہاں کی سنگین قیادت "جہان نواز" کی تاسیس کا موقع دینے پر تیار نہیں ہے تو پھر زمین کا اور کونسا گوشہ ہو سکتا ہے جہاں طاقت کو سمیٹ کر تعمیر کا کام شروع کیا جاسکے۔ پہلے نگاہ حبش پر گئی اور اسی لیے مشین کو وہاں بھیجا۔ اگرچہ شاہ نجاشی نے مظلومین مکہ کی حمایت کا حق ادا کر دیا، لیکن ایک تو وہاں کے عیسائی علماء کا گھٹیا کردار سامنے آچکا تھا اور ان کے پھلٹے ہوئے اثر کے تحت دین حق کا پتلا آسان نہ تھا۔ دوسرے وہاں کی مقامی آبادی میں بالکل نئے سرے سے کام کرنے کی ضرورت تھی اور اس میں اجنبیت کے بہت سے وجوہ حائل نظر آتے تھے، اس لیے کسی دوسرے گوشے کی تلاش تھی۔ مدینہ نے جب مکہ کے دل سے دعوت حق کو لبیک کہی تو سرورِ عالم کو امید کی ایک نئی جھلک نظر آئی۔ جمعیتِ عقبہ اولیٰ نے اس امید کو مستحکم تر کر دیا۔ پھر مصعب بن عمیر نے خود وہاں رہ کر اور کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد جمعیتِ عقبہ ثانیہ کے موسمِ حج میں حج سے کچھ قبل آکر حضورؐ کی خدمت میں پوری رپورٹ پیش کی۔ مدینہ کے مسلمانوں کی تفصیل بیان کی، اُن کی قوت کا حال بتایا اور خوش خبری دی کہ وہ اس سال ٹبریٰ تعداد میں آ رہے ہیں۔ اس رپورٹ نے حضورؐ کو غور و فکر کی دعوت دی۔ یہ صورتِ فی الواقع ٹبریٰ خوش آمد تھی کہ مدینہ کے مسلمان تعداد اور قوت کے لحاظ سے دن دن، رات رات بڑھ رہے تھے اور پھر یہود کی طرف سے اس طرح کی سنگین

مخالفت کا ان کو سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا جیسے ان کے مکی ساتھیوں کو قریش کی طرف سے درمیش تھی۔ اور اہل شہر بکہ والے رزقاً کے لیے بالعموم کٹھنتے تھے، ان کو بہت زیادہ سہولتیں حاصل تھیں، ان کے ہاں کھیتیاں تھیں اور نخلستان اور تاکستان تھے۔ حضورؐ سوچتے تھے کہ کیا یہ اچھا نہ ہو کہ مکہ کے رزقاً مدینہ چلے جائیں اور قریش کے مظالم سے نجات پا کر دین کے تقاضے پورے کریں۔ چنانچہ آنے والے وفد میں جو لوگ محرم تھے ان سے آپؐ نے اس خیال کا اظہار بھی فرما دیا۔ اور بعد میں جس شکل میں پیمانہ باندھا گیا وہ اسی پس منظر کے ساتھ تھا۔

یوں تو ہجرت حبشہ سے مہاجرین کے لوٹ آنے کے بعد ہی سے اکاد کا رزقاً آپؐ کی اعانت سے مدینہ جاتے رہے، لیکن ہجرت عقبہ ثانیہ کے بعد رزقاً تیز ہو گئی اور تقریباً طے ہو گیا کہ دو سرکار ہجرت مدینہ ہی ہو گا۔

سودا بن مکہ دیکھ رہے تھے کہ تحریک اسلامی نے ایک نیا مضبوط مرکز پیدا کر لیا ہے۔ ان کی نگاہوں میں مستقبل بڑا بھیانک ہو رہا ہے کہ آنے لگا۔ وہ اپنی جگہ خوب سمجھ رہے تھے کہ اب اگر مدینہ میں کلمہ حق کی جڑ لگ جاتی ہے تو ہمارے حدود و اثر سے باہر سی باہر یہ کلمہ ایک ناقابل شکست طاقت بن کر ایک دن ہماری ہی خبر لے گا اور ہمیں کو اپنے کرداروں کا حساب پائی پائی ادا کرنا ہو گا۔ وہ اس خطرے کو بھی محسوس کر رہے تھے کہ شام کی تجارتی شاہراہ چونکہ مدینہ سے ہو کر گزرتی ہے اس لیے مدینہ کا نیا اسلامی مرکز شاہراہ کی ناکہ بندی کر سکے گا اور اس طرح ان کی معاشی شاہ رگ کٹ جائے گی۔ ان پر اندر ہی اندر گھبراہٹ کا شدید دورہ پڑ چکا تھا، مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کریں کیا؟ وہ دن رات اس اندیشے میں رہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پوری جماعت کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اسی اندیشے کے زیر اثر وہ بالآخر صاحب نبوت کے قتل کے منصوبے بنائے پُر آئے۔ ایک تاریخی طاقت جو ان کے اپنے منہ سے اُبھری اور ساری دنیا سے زیادہ وہ اُن کی اپنی تھی، اسے اپنے ہی کرداروں سے غیر بنا دیا اور خود اس کے دشمن بن کھڑے ہوئے، پس اب جوں جوں وہ زور پکڑتی تھی ان کے لیے ایک جان لیوا لہ تھیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ حیات محمدؐ از محمد حسین بیگل معری ۲۰۲۔

شطرہ بنتی جاتی تھی۔

چنانچہ پہلا مہاجر جب مدینہ کے آواہ سے نکلا تو مکہ والوں نے اس کے ساتھ جفاکارانہ معاملہ کیا۔ یہ آدین مہاجر ابوسلمہ عبداللہ بن الاسد مخزومی تھے۔ یہ بیوی بچے کو اونٹ پر سوار کر کے لے گئے۔ ان کی بیوی بنو مغیرہ میں سے تھیں، وہ لوگ عین روانگی کے وقت تنزی میں آئے اور ام سلمہ کے اونٹ کی مہا یہ کہہ کر ابوسلمہ سے چھین لی کہ اسے ہم تیرے ساتھ مدینہ پہنچانے کے لیے کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اس ضد باقی صورت حالات نے ابوسلمہ کے قبیلہ والوں میں سخت رد عمل پیدا کر دیا۔ انہوں نے بنو مغیرہ سے کہا کہ اگر تم ہمارے آوی سے اس کی حورو کو لو چھینتے تو لو پھر ہم اپنا ننھا بچہ اس کی گود میں نہ رہنے دیں گے، چنانچہ شہر، بیوی اور بچہ تینوں باہر گر پھڑکنے اور اس عالم میں ابوسلمہ نے کوچ کیا۔ ام سلمہ صبح کو آکر شہر سے باہر اسی موقع پر آکر ناز قطار روڑے لگئیں۔ آخر سال بھر کے بعد کسی کو رحم آگیا اور اس نے بنو مغیرہ سے کہہ سن کر اونٹ پر سوار کلا کے ام سلمہ کو سچے سمیت مدینہ روانہ کر دیا اور وہ تن تنہا چل کھڑی ہوئیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک مقام پر عثمان بن طلحہ مل گئے اور انہوں نے اس مہاجر کو حوالی مدینہ میں پہنچا دیا۔

یعنی ہجرت حدیث کے تناخ تجربے کے بعد اب پالیسی یہ ٹھہری کہ خدا پرستانہ نظام زندگی کے علمبرداروں کو اپنے قابو سے نکلنے ہونے دو کا جائے۔ وہ نکلیں تو ایسی حالت میں نکلیں کہ ان کو کذبہ تمبید بطور یرغمال مکہ والوں کے پاس رہے۔ یہ پالیسی شروع میں ذرا ڈھیلی ڈھالی تھی، لیکن رفتہ رفتہ اس میں سختی برصتی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت عمر اور عیاش ابن ابی ریبیعہ اور ہشام بن العاصی بن الروامل دو بار آخر میں ایسے عالم میں تھپ تھپا کر نکلے کہ ہر وقت دھڑکا تھا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جائیں۔ حضرت عمر اور عیاش تو نیز رفتاری سے نکل گئے لیکن ہشام کو پکڑ لیا گیا اور وہ منگھڑا استبداد میں آگئے۔ حضرت عمر اور عیاش بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ مکہ سے ایک سازشی وفد ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ یہ ابو جہل بن ہشام اور عاتش بن ہشام پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ جا کر عیاش سے ملے اور کہا کہ تمہاری والدہ کا حال ابتر ہے اور اس نے تم کو کھالی ہے کہ چھت تک تم سے نہ ملے گی سر کے بال نہ سنوارے گی اور چلچلاتی دھوپ میں کھڑی رہے گی۔

ساتھیوں نے سمجھا یا کہ یہ واضح طور پر ایک چال ہے، تم ایک بار مکہ والوں کے پھندے میں پھنس گئے تو یہ تمہیں دین سے ہٹا دیں گے۔ عیاش کو ایک لاپچ یہ بھی تھا کہ وہ مالدار آدمی تھے اور کچھ مال نکال لانا چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پیش کش کی کہ میں اس سے زیادہ مال رکھتا ہوں اور تم مجھ سے آدھا مال لے لو، ان دونوں کے ساتھ نہ جاؤ۔ عیاش نہ مانے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اچھا اگر بیٹے سے تو میری اسیل اونٹنی لے جاؤ، جہاں کوئی اندیشہ محسوس ہو، جھاگ نکلنا۔ مگر مکی سازشیوں نے راستے میں ایسی چال چلی کہ اسیل اونٹنی سے فائدہ اٹھانے میں عیاش کے بس میں نہ رہا اور ان کی مشکلیں کس لی گئیں۔ اہل فہم جب مکہ پہنچے تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو، یوں علاج کرو اپنے اپنے عقل کے ماروں کا جیسے ہم نے کیا ہے۔

بعد میں حضرت عمرؓ نے دستِ خاص سے ایک خط ہشام بن العاص کو لکھا اور اس میں مشہور آیت "یٰٰھبَادِیَ الذِّیْنَ اَسْرَفُوْا... الخ" درج کی۔ اس خط کو مکہ کے پاس "ذی نلوی" نامی موقع پر ہشام نے پڑھا، بار بار غور کیا اور جب بات پالی کہ اس میں اشارہ خود اس کی جانب ہے تو فوراً اونٹ لیا، کجاواکسا اور روانہ ہو گیا۔ لیکن اس سے زیادہ مضبوط روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ایک دن مجلس میں ان دونوں مجاہدین کا ذکر چھڑا۔ آپ نے فرمایا "عیاش بن ابی ریبہ اور ہشام بن العاصی کی نجات دانے کے لیے کون مجھے اپنی خدمات سونپتا ہے؟" ولید بن مغیرہ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ ولید حکم نبوی کے مطابق مکہ روانہ ہو گئے۔ چھپتے چھپاتے آبادی کے قریب آئے ایک عورت کھانا لے جاتی نظر آئی۔ پوچھا، اللہ کی بندی، کدھر کو جا رہی ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ "یہاں مقیدہ ہیں، یہ کھانا ان کے لیے ہے" ولید تعجب سے بولے۔ وہی دونوں تھے اور ایک بے چھتے کے مکان میں بند تھے۔ شام ہو گئی تو یہ دیوار پھانڈ کر اترے۔ ان کی بیٹیوں کے نیچے چھپر رکھ کر اپنی تلوار سے ان کو کاٹ ڈالا۔ پھر باہر نکال کر دونوں کو اونٹ پر بٹھایا اور راہِ نرا اختیار کی۔

اسی طرح کثیر لوگ نمودار نکلے بھی تو مکہ والوں نے ان سے ان کے اموال رکھوائے جیسے بھارت سے جانیں بچا کر نکلنے والے بہت سے مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔

لیکن ہجرت کے اس درجہ جگر آزما ہونے کے باوجود مرد ہی نہیں، خواتین بھی برابر جادہ فرض پر اقدام کر رہی تھیں۔ تحریک اسلامی کا یہ اعجاز اپنی مثال نہیں رکھتا کہ آج سے صدیوں پہلے کے وحشی عرب کی ان ٹپڑ خواتین تک میں اس زندگی بخش طاقت نے ایک زوردار حرکت عمل پیدا کر دی۔

مہاجرین کے راستے میں رکاوٹیں ڈال کر قریش اپنی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے، مگر دوسری طرف جس شخصیت سے سابقہ تھا وہ عالی حوصلگی کی اونچی چوٹی پر کھڑی تھی۔ وہاں سمندر کا سارے بیخ برف تھا۔ وہ پیکرِ صبر و استقلال ٹھنڈی عزیمت اور ٹھہراؤ والی فطرت سے آراستہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے مکرر دعوت پر ڈٹا رہا۔ اسے آخری حد تک اتمامِ محبت کا فریضہ ادا کرنا تھا۔ وہ اہل مکہ کے خلاف مثبت الہی کے کھیل کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے اپنا فرض صبر و تحمل سے ادا کر رہا تھا۔ اس کی مثال ڈوبتے جہاز کے بہادر کپتان کی سی تھی کہ جو سارے عملے اور سارے مسافروں کو سلامتی کی کشتی پر سوار کرنے کے بعد سب سے آخر میں جہاز کو چھوڑنے والا تھا۔

جب بحرِ ایسے چند افراد کے کوئی باقی نہ رہا جنہیں قریش کے جبر نے محصور کر رکھا تھا یا جن کو کسی مفاد یا مصلحت نے باندھ رکھا تھا تو اس وقت آپ کو آسمانی حکومت کی طرف سے پروانہ ہجرت ملا۔ آپ نکلے تو ایسے عالم میں نکلے جبکہ مکہ والے آپ کو زندہ دیکھنے کے روادار نہ رہے تھے۔ اور جب نکلنے کی گھڑی آگئی تو خون کی پیاسی تلواریں کے گھیرے میں سے آپ بے خوفی کی شان سے نکل گئے۔

مدینہ — بہت دن انتظار | مہاجرین کی تعداد جوں جوں بڑھ رہی تھی مدینہ میں زندگی کی روزِ مدد پکڑ رہی تھی۔ دعوتِ حق کا اُجالا آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اور جتنا جتنا اسلام دلوں کی دنیاؤں کو فتح کرتا جاتا تھا، اسلام کا پیغام لانے والے محسن کی محبت بڑھتی جاتی تھی۔ خصوصاً بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد سے مدینہ کی چشمِ انتظار بہر دم مکہ سے آنے والے راستے پر لگی رہنے لگی۔ ایک فصل بہا بہی تھی اور اس انتظار میں تھی کہ ابریکرم آئے اور برس جائے۔ ایک چمن لالہ و گل آراستہ تھا اور امیدوار تھا کہ بادِ بہاری کے جھونکے آئیں اور رنگ و بو کے طوفان اہلِ پُرس۔ مسالہ جمع پُرا تھا اور بہت دن آرزو تھا کہ سجادِ انبیت آئے اور تعمیرِ نو کیا کر دے۔

ہوا کی لہریں یہ اطلاع بھی کسی نہ کسی طرح لے آئیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل چکے ہیں اور
 جاوہ ہجرت کے مراحل طے کر رہے ہیں۔ اس غیر پر مدینہ میں اشتیاق کے جذبات اضطراب کی حد کو
 پہنچ گئے ہونگے۔ انتظار کی بے چینیاں زور پکڑ گئی ہونگی۔ سوچو کہ ہر طرف کیا چرچے ہونگے؟ کیا استفسار
 ہوا کرتے ہونگے؟ کیسی گفتگو میں محفلوں کی رونق رہتی ہونگی؟ جذبات و احساسات کا کیا عالم ہوگا۔
 مشرکین کا، یہود کا، انصار کا، مسلمانوں کا؟

چھوٹے چھوٹے بچوں کی زبانوں پر یہی بات رہنے لگی کہ رسول آرہے ہیں، رسول آرہے ہیں۔
 لوگ ہر صبح گھروں سے نکلتے اور شہر سے باہر جمع ہو کر انتظار کرتے، جب گرما کا سورج اونچا ہو جاتا
 اور دھوپ قابل برداشت نہ رہتی تو حسرت زدہ ہو کر لوٹ جاتے۔ پورم قدمست کو بھی لوگ اسی طرح
 جمع ہو کر لوٹ رہے تھے کہ ایک یہودی نے قلعے پر سے دیکھا اور مژدہ سنایا کہ ”اہل عرب! لو تمہیں
 جس بزرگ کا انتظار تھا وہ آپہنچے۔“ تمام شہر تکبیر کے غلغلے سے گونج اٹھا۔ لوگ بے تابانہ وار دوڑے۔
 اکثر انصار خوب ہتھیار لگا لگا کر نکلے۔

اولین قیام مقام قبا میں ہوا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مضافاتی آبادی تھی۔ عمرو
 بن عوف کے خاندان نے لغرہ ہاشے مسرت کے ساتھ استقبال کیا اور اسی خاندان کو شرف میزبانی
 حاصل ہوا۔ یہ گھر دراصل تحریک اسلامی کا ایک مرکزی اڈہ (CELL) تھا۔ ہاجرین ہیں
 اکثر کے لیے منزل اول یہی گھر بنا اور بعض ہاجر صحابی اس وقت بھی یہیں مقیم تھے۔ حضرت علیؑ بھی اناتول
 کی ادائیگی کے بعد روانہ ہو کر یہیں کاروان محبوب کے ساتھ آئے۔ یہاں چودہ روز قیام رہا اور ہاجرین
 و انصار جوق در جوق شرف ملاقات کو آرہے تھے۔ لوگ اس ہستی کو دیکھتا چاہتے تھے جس کا پیغام
 ان کے سینوں میں گھر کر چکا تھا۔ اس کے چہرے کی ایک جھلک نگاہوں کے دامن میں سمیٹ لینا
 چاہتے تھے۔ اس کے منہ سے میٹھے بول سننا چاہتے تھے، اس کی دعا سے خیر سے حصہ حاصل کرنا
 چاہتے تھے۔ غائبانہ عقیدت اب محسن انسانیت کو رُو در رُو دیکھنا چاہتی تھی۔ سلام، ملاقاتیں،
 گفتگوئیں، دعائیں، مجلسیں، کیا کچھ نہ ہو رہا ہوگا۔

قبائیں آپ نے اپنے ہاتھوں سے ایک مسجد کی بنی رکھی۔ ایک ایک مسلمان اس تعمیر کی ہمہ میں شریک تھا اور خود نیا کاسبے بڑا تاریخ ساز ایک معمولی مزدور کی طرح بھاری بھارے پتھر اٹھا اٹھا کر لارہا تھا۔ کام ہو رہا تھا اور ساتھ کے ساتھ گیت گایا جا رہا تھا۔

افلم من يعالج المساجداً ولقراء القرآن قائماً وقاعداً

ولا يبیت اللیل عنہ رافداً

یعنی کامیاب وہ ہے جو مسجدیں تعمیر کرے، اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھے اور آٹوں کو درجہ دات کے لیے جلائے یہ مسجد محسن اینٹ پتھر اور گارے اور پھونس کا مجموعہ نہ تھی، اس میں خاتم النبیین سے لے کر ایک عامی مسلمان تک ہر ایک نے اپنے بہترین جذبات صرف کیے تھے۔ اسی لیے اس کی شان میں قرآن نے کہا "لمسجداً استس علی التقویٰ"۔ یہ ایسی مسجد ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر استوار کی گئی ہے۔

قبائیں دعوہ ۸ ربیع الاول ۱۱۰۰ (دہری) بروز جمعرات ہوا تھا۔ چودہ روز بعد انسانِ اعظم نے قتلہ سمیت مدینہ کا رخ کیا۔ قبائیں سے مدینہ تک دو روپہ انصار خیر مقدم کے لیے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ آپ کے ننھیالی رشتہ داروں نے خاص استیاق سے سجتیار لگائے۔ عورتیں چھتوں پر جمع تھیں اور ترادُ خیر مقدم گارہی تھیں۔

طلح البدر علینا من ثنیا ت الوداع

وجب الشکر علینا ما دعنا اللہ دا ح

اور چھوٹی بچھوڑ کے غول گھوم رہے تھے، یہ لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی پھرتی تھیں۔

نخن جوار من بنی نجار یا حبذا محمداً من جار

ان بچھیوں کی پاکیزہ محبت کا جواب سرورِ عالم نے بھی خاص شفقت سے دیا۔ ان سے باتیں کیں۔ پوچھا

کہ کیا تم مجھے چاہتی ہو؟ انہوں نے کہا "جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں؟"

فدا تصور میں لائیے اس تاریخی گٹری کو جو مدینے کے نصیب میں آئی تھی۔ گلیوں کی خاک کے ذرے ذرے

میں دل دھڑک رہے ہونگے۔ دیواروں کی دندلوں کو آنکھیں مل گئی ہونگی۔ ہوا کے جھونکوں میں انسانی احساسات

عادمی قیام کے لیے حضرت ابو الیوب انصاری کے گھر کی قسمت جاگی۔ سات ماہ ہی اکرم کا قیام نہیں ہوا۔
 تعمیری اقدامات | جو نہی خدا سکون ہوا اور مسافرت کی کیفیت ختم ہوئی تو سرور عالم تعمیری اقدامات کی طرف متوجہ
 ہوئے۔ اولین مہم مسجد کی تعمیر کی تھی۔ دو تہیم پتھوں کی امداد وہ زمین خریدی گئی اور حضرت ابو الیوب انصاری ہی نے
 قیمت ادا کی۔ اس زمین پر مسجد نبوی کی تاسیس ہوئی۔ مسجد کی اہمیت صرف بطور معبد ہی کے نہ تھی بلکہ اسے
 اسلامی نظام تمدن و ریاست کا سرچشمہ و مرکز بننا تھا۔ وہ حکومت کا دار، مشورے کا ایوان، سرکاری مہمان خانہ
 جمہوری دارالعلوم اور قومی لکچر ہال کی حیثیت سے برپا کی گئی۔ اس اولین تعمیری اقدام پر وہی قبائل انتہا پیش آیا۔
 کون مسلمان ہو گا جس نے اس میں دل و جان سے حصہ نہ لیا ہو گا۔ خود سرور عالم پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لانے۔
 اس منظر کو دیکھ کر ایک مسلمان مارے جذبات کے پکارا اٹھا کہ۔

لذات منّا العمل المضلل
 سن قعدنا والنبي ليعمل

یعنی اگر خدا کا نبی اس کام میں یوں لگ جائے اور ہم بیٹھے دیکھتے نہیں تو سہارا کیا کرایا غارت ہوا۔
 کام کی گرما گرمی میں کوئی بیہودہ گوئی نہ تھی، بلکہ آنحضرت سمیت سب کے سب یہ سدا بلند کر رہے تھے۔

لا عیش الا عیش الاخرہ
 اللهم ارحم الانصار والمہاجرہ

یعنی آخرت کی ابدی زندگی ہی زندگی ہے اور وہ نہ ہو تو پھر زندگی بچ ہے۔ اے اللہ! انصار اور مہاجرین
 پر رحم فرما۔

یہ تھی اسپرٹ اور یہ تھیں دعائیں جو مسجد نبوی کی تعمیر کا اصل مسالہ بنیں۔ مسجد کے ساتھ محسن انسانیت صلی اللہ
 علیہ وسلم کے بیسے گارے اور پھونس کے حجرے (کوٹا رز) تعمیر ہو گئے۔ آپ اپنے انہی کوٹا رز میں منتقل ہو گئے۔
 مدینہ میں حضرت رسالت مآب کی تشریف آوری سے از خود دعوت کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور اس
 سات ماہ کے عرصے میں تحریک حق نے قبیلے قبیلے اور گھر گھر سے جان نثار حاصل کر لیے۔ صرف خطبہ، واقف
 وائل امداد مئی کے گھرانوں میں شرک کی تاریکی باقی رہ گئی، اور ان سب کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

تعمیری مہم کے سلسلے میں کار و محنت کا آگے بڑھانا مددِ جہِ اول کی اہمیت رکھتا تھا۔ انفرادی و محنت کے علاوہ سرورِ عالم نے اجتماعی طور سے کام کا آغاز جس خطابِ عام سے کیا وہ ابنِ العاص پر مشتمل تھا۔

دعوتِ عثمان کے بعد ۱۰ لوگوں اپنی جانوں کے لیے وقت پر کچھ کمائی کر لو، خوب جان لو، خدا کی قسم تم میں سے ہر ایک پر موت وارو، ہر گئی اور وہ اپنے گلے کو اس حال میں چھوڑ کر نصرت ہو گا کہ کوئی اس کا چہرہ اٹا نہ رہے گا، پھر اسے اس کے پیر و دو گار کی طرف سے ایسے عالم میں خطاب کیا جاسیگا جبکہ یہ سچ ہے کوئی ترجمان اور دربان نہ ہو گا۔ کہا جائے گا کہ کیا تجھ تک میرا رسول نہیں پہنچا تھا، جس نے بات تجھ تک پہنچائی ہو؟ پھر کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر نوازش نہیں کی تھی؟ تو پھر اپنی جان کے لیے تو نے کیا اندرِ محنت کیا؟ پس وہ دیکھے گا دائیں بائیں، لیکن کچھ نہ دکھائی دیکھا۔ پھر سامنے کی طرف نگاہ ڈالے گا، مگر بجز جہنم کے اور کچھ سامنے نہ آئے گا۔ سو جس کسی کو بھی تو فریق ہو کہ وہ کجیور کی ایک پھاٹک کے عوض بھی اپنے چہرے کو دفن کی آگ سے بچانے کے لیے کچھ کر سکتا ہو تو کرے۔ جتنا بھی نہ کر سکے وہ کوئی بھلی بات کہہ کر ہی بچاؤ کرے۔ کیونکہ نیکی کا بدلہ دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک ملتا ہے۔ اور تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں وارو ہوں؟

دوسرا خطابِ عام جو اپنے فرمایا، یہ تھا۔

”ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد چاہتا ہوں، اہم سب اپنے دلوں کی قرأتوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں کے مقابلے میں اللہ ہی کی پناہ طلب کرتے ہیں، اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت سے محروم کر دے اس کے لیے کوئی رہنما نہیں۔ اور میں گوہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کہ جو ایک ہے اور جس کے ساتھ کوئی دوسرا حصہ دار نہیں، کوئی اور مقابلِ عبادت و طاعت ہستی نہیں، بلاشبہ بہترین بیان اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب ہے۔ جس شخص کے دل کے لیے اللہ نے اس کو محبوب بنا دیا اور جسے کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا اور جس نے اور سارے انسانی مہاتوں کے مقابلے میں اسے اپنے لیے پسند کر لیا، اس نے فلاح پائی

یہ بہترین بیان ہے اور سب سے زیادہ مؤثر۔ تم وہی کچھ پسند کرو جو اللہ کو پسند ہے اور اللہ سے اخلاص کے ساتھ محبت کرو۔ اللہ کے کلام سے تعاضل نہ برتو اور تمہارے دل اس کے لیے سخت نہ ہونے پائیں۔ چونکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ جو کچھ پیدا کرتا ہے اس میں سے بہتر کو چھانتا اور منتخب کرتا ہے، سو اس نے اعمال میں سے بہترین اور بندوں میں سے برگزیدہ ترین اور میانوں میں سے پاکیزہ ترین کو متعین فرمایا ہے۔ نیز انسانوں کو جو کچھ دیا گیا ہے اس سب میں سے کچھ حلال ہے، کچھ حرام۔ پس اللہ کی غلامی اختیار کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دو، اس کے غضب سے اس طرح بچو جیسا کہ بچنے کا حق ہے۔ اور اللہ کے حضور میں وہ سارے پاکیزہ اقوال سچ کر دکھاؤ جن کو تم اپنی زبانوں سے ادا کرتے ہو۔ اور اللہ کی رحمت کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کا رشتہ استوار کرو۔ یقیناً اللہ ناراض ہوتا ہے۔

اگر اس کے ساتھ باندھے ہوئے (ایمان کے) عہد کو توڑا جائے۔ بعد تم پر سلامتی ہو۔

تقریر کے الفاظ جو روایات سے ملتے ہیں بہت مختصر ہیں اور مختصر کے خطاب بالعموم مختصر ہوتے تھے۔ لیکن مطالب کی جامعیت دیکھیے کہ وقت کے تمام اہم مسائل ان الفاظ میں بولے گئے ہیں۔ تقریر میں اسلام کی دعوت بھی دی گئی ہے، قرآن کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، حلال و حرام کی تمیز پیدا کرنے کا درس دیا گیا ہے اور اصولی و مقصدی جذبہ اخلاقی و رفاقت پیدا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ان دو تقریروں کے مطالعہ سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اجتماعی دعوت کی نئی لہر کس انداز سے اٹھائی گئی تھی۔ ایک طرف بنیادی نظریہ کا پیغام دیا جا رہا تھا اور دوسری طرف اسی نظریہ کی اسپرٹ کے ذریعے پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے سوسائٹی کو رہنمائی دی جا رہی تھی۔

اسلامی ریاست کی تاسیس [تیسری تعمیری اقدام] اور شاید سیاسی لحاظ سے سب سے بڑی تعمیری اقدام۔ یہ تھا کہ ریاست چلانے کے لیے مدینہ کے یہود و مشرکین اور مسلمانوں کی سوسائٹی کو ایک نظم میں پرو دیا گیا۔ اس نوعیت کی تنظیم معاشرہ کے لیے ایک تحریری معاہدہ استوار کیا گیا جس کی نوعیت و حقیقت ایک باقاعدہ تحریری دستور کی ہے۔ اس کو بجا طور پر دنیا کا پہلا تحریری دستور کہا جاتا ہے۔ ہم یہاں اس دستور کی دفعات پر بحث

نہیں کرنا چاہتے، البتہ اس کے چند اہم پہلوؤں کا خلاصہ بیان کر دیتے ہیں۔ اس دستوری معاہدے کے ذریعے نبی اکرم نے جو کچھ حاصل کیا وہ یہ تھا۔

— مدینہ کے منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کو اساسی اہمیت حاصل ہو گئی۔

— سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار (AUTHORITY) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آگئی۔

— دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور اس کے کسی عنصر کے لیے قریش کی حمایت کے دروازے بند ہو گئے۔ نیز دفاعی لحاظ سے بھی مرکزی اور فیصلہ کن اختیار آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔

اس دستوری معاہدے سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کی تاسیس واقع ہوئی۔ اس زمانے کی حالات کی پیچیدگیوں کو سامنے رکھیں تو پھر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کارنامہ کتنے بڑے پیمانے کا کارنامہ تھا اور اس کے پس منظر میں ایک لامثال سیاسی بصیرت اور گفت و شنید کی مہارت کام کرتی ملتی ہے۔ یہ دستوری دستاویز بھی اور دوسرے معاہدات و معاملات اور جنگی منصوبے بھی ہیں آگاہ کرتے ہیں کہ نبی اکرم صرف ایک صوفی و درویش نہ تھے بلکہ اجتماعی معاملات کو سنہانے اور سنوانے کے لیے ماہرانہ حکمت سے آراستہ تھے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی پوری پوری صلاحیتیں رکھتے تھے۔

اس معاہدے کی کوئی نصب العین ہے کہ اٹھتی ہے وہ ہمیشہ سے پہلے اسکی نگر کرتی ہے۔ عرب کی جاہلیت اسلامی کی بے سرو سامانی کو دیکھیے اور مدینہ کے اجنبی ماحول میں آکر چند اجڑے پھڑے افراد کا عالم ابتلا دیکھیے اور پھر ملاحظہ فرمائیے کہ کیسے اولین اسلامی ریاست کی فوٹو تاسیس کی جاتی ہے اور کیسے چند صیبنوں میں دستور بن کر نافذ ہو جاتا ہے۔ نسلی اور مذہبی لحاظ سے گونا گوں متضاد عناصر کو اتنا جلد ایک دستور پر متحد کر دیکھنا تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ اس سے متعلقہ میں آج پاکستان کا حال دیکھیے کہ مسلمانوں کی جاری اکثریت ہے، ہر طرح کے ذرائع و وسائل اور تنظیمیں موجود ہیں لیکن آٹھ برس دستوری ڈھانچہ بننے میں لگ گئے اور اس میں ہی نصب العین کا معاملہ اب تک جھگڑے کا موضوع بنا رہا۔

نظام مؤاخات | مدینہ کے معاشرہ کا ایک بڑا مسئلہ سینکڑوں مہاجرین کی بحالی کا مسئلہ تھا۔ ضرباً چھوڑ چھڑا کر مسلسل لوگ اکٹھے چلے آ رہے تھے اور چند ہزاروں آبلوی رکھنے والی متوسط سیستی کو انہیں اپنے اندر جذب کرنا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے کو جو تاریخ میں جب بھی پیدا ہوتا ہے، پریشان کن بن جایا کرتا ہے، مدینہ کے معاشرے اور اس کے صدر ریاست نے جس کمال حکمت سے حل کیا اس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ کوئی آرڈی ٹنس جاری نہیں کیے گئے، کوئی قانون نہیں ٹھرنے لگے۔ الاٹ منٹیں نہیں کی گئیں۔ مہاجرین کی تعداد معین کر کے کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ کسی سب سے کام نہیں لیا گیا۔ محض ایک اخلاقی اپیل کے ذریعے اس پُرپیچ مسئلے کو چند روز میں حل کر دیا گیا۔ صرف عالم نے عقیدے اور نظریے اور مقصد کی صحیح معنوں میں ایک نئی برداری پیدا کر دکھائی اور ایک ایک انصاری کے ساتھ ایک ایک مہاجر کا براہِ راستہ قائم کر دیا۔ انصار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال، مسکن، باغات اور کسیت آدھوں آدھ بانٹ کر فقائے مقصد کو دے رہے تھے، بلکہ بعض تو بہان تک تیار ہو گئے کہ وہ وہ بیویوں سے ایک ایک کو طلاق دے کر اپنے دینی جائیدوں کے نکاح میں دے دیں دوسری طرف مہاجرین کی خودداری کا نقشہ یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم کھیت یا بازار کا راستہ دکھاؤ، ہم تجارت یا مزدوری کر کے پیٹ پال لیں گے۔

مجرد، بالخصوص نو عمر مہاجرین جو اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کرنا چاہتے تھے ان کی اقامت گاہ و صفحہ (مسجد نبوی کا ایک چبوترہ) تھی۔ تعمیری کام کے سلسلے میں یہ ایک اہم ادارہ تھا۔ اصحابِ صفحہ کی گفتگو سوسائٹی کرنی تھی اور اخصوند صلعم خود ان کی ضروریات کی تکمیل میں سرگرم رہتے۔

پھر وہی کشمکش | یہاں تاریخ و سیرت کے پورے سلسلے و اوقات کو پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔ مجملہ ہم نے یہ دکھانا چاہا ہے کہ تحریک اسلامی کی پود لکھ سے آ کر مدینہ میں کس طرح نصب ہوتی ہے اور کس طرح نئی کونپس نکالنے لگتی ہے۔ ماحول بنا تھا اور اب ایک نئی موثر طاقت کے آجانے سے اس میں کس نہج پر نئی حرکات شروع ہو رہی تھیں۔ سونے ہوئے معاشرے کو جس میں حق نے اگر جگا دیا تھا۔ عمل کا ایک ایجنج تیار ہو گیا تھا، اور اس پر ایک مثبت اور تعمیری طاقت اپنا کردار پیش کر رہی تھی۔ مثبت کردار کے سامنے آنے ہی تاریخی قانون کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی نہ کوئی منفی کردار بھی نمودار ہو۔ تعمیری مہم کے مقابل میں مثبت کا ضابطہ لازماً ایک